اہلسنت وجماعت

انتشار و پسپائی کے اسباب اور ان کا تدارک

دوسری قسط

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی

۱۳/محرم الحرام مطابق ۳۱/دسمبر ۲۰۰۹ءکو جامعہ اشرفیہ میں یومِ مفتیِ اعظم ہند کا انعقاد ہوا۔ جشن کا اہتمام حسب روایت جماعتِ سابعہ نے کیا تھا۔ توسیعی خطبہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے آئے ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی نے پیش کیا، موضوع تھا "اہلِ سنت و جماعت: انتشار و پسپائی کے اسباب اور ان کا تدارک" یہ اہم خطاب قارئین کی میز پر بھی پیش ہے۔ امید ہے کہ سنجیدہ اور باشعور طبقہ اسے ضرور پسند کرے گا۔ از: **مبارک حسین مصباحی**

غرض یہ کہ نجدی تحریک نے تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دے کر اور بزعمِ خود حقیقی توحید کا علم بردار بن کر مسلمانوں کو از سرِ نو اسلام قبول کرنے اور اس تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دی، نہ ماننے والوں کی جان و مال، عزت و آبرو کو مباح سمجھا اور اس پر شدت سے عمل کیا۔ اس تحریک اور اس کے مظالم کی داستان بڑی طویل اور خوں چکاں ہے جس کے اس وقت ہم متحمل نہیں ہوسکتے۔

وہابی تحریک کا غلغلہ شدت سے بلند ہوا اور اس کے اثرات دور دور تک پھیلے، برصغیر کے مشہور علمی و دینی خاندان، خاندانِ ولی اللّٰہی کے ایک فرزند شاہ اسماعیل دہلوی کو یہ تحریک پسند آئی اور وہ بھی توحید و اصلاح کے علم بردار بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے شیخ نجدی کی "کتاب التوحید" اور رسالے "رد الاشراک" کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور ان کا آزاد ترجمہ "تقویۃ الایمان" کے نام سے اردو میں شائع کیا۔ ان کے برادرِ عم زاد مولانا مخصوص اللہ صاحب نے ایک جملے میں اس پر بھرپور تبصرہ کیا تھا ان کے بقول "وہابی کا رسالہ متن تھا، یہ شخص گویا اس کی شرح کرنے والا ہو گیا۔" (بحوالہ مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان از: مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی، ص: ۵۹، شاہ ابوالخیر اکادمی، دہلی، ۱۹۸۴ء)

تقویۃ الایمان، تقویۃ الایمان کے بجائے "تفویۃ الایمان" ثابت ہوئی اور زوال آمادہ مسلم معاشرے کو انتشار و افتراق کی انتہا تک لے گئی۔ مولانا زید فاروقی علیہ الرحمہ کے مطابق:

"اس کتاب سے آزاد خیالی کا دور شروع ہوا، کوئی غیر مقلد ہوا، کوئی وہابی بنا، کوئی اہلِ حدیث کہلایا، کسی نے اپنے کو سلفی کہا۔ ائمۂ مجتہدین کی جو منزلت اور احترام دل میں تھا وہ ختم ہوا۔ معمولی نوشت و خواند کے افراد امام بننے لگے اور افسوس اس کا ہے کہ توحید کی حفاظت کے نام پر بارگاہِ نبوی کی تعظیم و احترام میں تقصیرات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔" (بحوالہ مذکورہ، ص: ۹-۱۰)

دہلی کے تمام جلیل القدر علما نے تقویۃ الایمان کا شدت سے رد کیا۔ شاہ اسماعیل دہلوی کے خاندان کے دیگر افراد مولانا مخصوص اللہ، مولانا محمد موسیٰ اور شاہ عبد العزیز دہلوی کے شاگرد جن کی قیادت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کر رہے تھے، شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کی کتاب کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے مناظرے کرنے لگے، لیکن اپنے مشن کے لیے ان کا جوش و جذبہ بھی کم نہ تھا وہ بھی اپنے حامی و موید پیدا کرنے میں کامیاب ہو رہے تھے۔ مولانا مخصوص اللہ صاحب فرزند شاہ رفیع الدین صاحب نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا: "اس مجلس تک سب ہمارے طور پر تھے، پھر ان کا جھوٹ سن کر کچے کچے آدمی آہستہ آہستہ پھرنے لگے۔"

(بحوالہ مذکورہ، ص: ۱۰)

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ سب واقعات اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ولادتِ باسعادت سے کافی پہلے کے ہیں۔ شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کے تقویۃ الایمانی افکار و نظریات کے حامل افراد بھی کئی خانوں میں منقسم ہوگئے۔ جن لوگوں نے تقلید سے آزدی حاصل کر کے خود کو اہلِ حدیث یا سلفی وغیرہ کہا، وہ افکار و اعمال میں ہی نہیں طریقِ عبادت میں بھی عام مسلمانوں سے الگ ہو گئے اور اہلِ سنت ان کو پہچان کر ان سے خود کو علاحدہ کرنے لگے۔ لیکن علماے دیوبند و سہارن پور وغیرہ اور ان کے متبعین نے "تقویۃ الایمانی

توحید" کی علم برداری کے ساتھ خود کو حنفی کہنے اور ماننے پر بھی اصرار کیا اور عبادات و معاملات میں اہلِ سنت کے مشابہ رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علماے اہلِ سنت انھیں خود سے الگ ثابت کرنے میں زیادہ کامیاب نہ ہوسکے۔ عوام نے ان کی قیادت وسیادت اور امامت کو بلا تکلف قبول کیا اور اہلِ دیوبند و مسلکِ دیوبند کے مناقشات کو علما کے علمی جھگڑے سمجھ کر نظر انداز کیا۔ علماے دیوبند نے تبلیغی جماعت بنا کر بظاہر بے ضرر طریقِ کار کے ذریعہ عوام کی ایک بڑی تعداد کو اپنے زیرِ اثر کر لیا۔ ان کے برعکس اہلِ سنت کی روایتی غفلت شعاری، سستی ولاپرواہی اور اپنوں کو کھونے کا ہنر اپنا کام کرتا رہا۔ ادھر ان کی مشنری اسپرٹ، اپنے عقائد و نظریات کی تبلیغ واشاعت کا جذبہ اور غیروں کو اپنا بنانے کا عمل جاری رہا، نتیجے میں ہم سکڑتے اور سمٹتے چلے گئے اور وہ بڑھتے اور پھیلتے رہے۔ اس کی دستاویزی شہادتیں بھی موجود ہیں اور تجربہ و مشاہدہ بھی۔ دستاویزی شہادت بھی اپنوں کی نہیں غیروں کی۔ دیکھیے! غیر مقلد عالم مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اب سے تقریباً ۷۳ر سال قبل ۱۹۳۷ء میں لکھا تھا:

"امرتسر میں مسلم آبادی ہندو، سکھ وغیرہ کے مساوی ہے، اسّی سال قبل قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔" (شمع توحید، ص: ۴۰، ۱۹۳۷ء)

شاہ اسماعیل دہلوی کے ایک معتقد اور تذکرہ نگار مولوی محمد جعفر تھانیسری نے "تواریخ عجیب معروف بہ کالاپانی" میں لکھا ہے:

"میری موجودگی کے وقت (یعنی ۱۲۷۸ھ میں) شاید پنجاب بھر میں دس وہابی عقیدے کے مسلمان بھی موجود نہ تھے اور اب (یعنی ۱۲۹۶ھ میں) دیکھتا ہوں کہ کوئی گاؤں اور شہر ایسا نہیں ہے کہ جہاں کے مسلمانوں میں کم سے کم چہارم حصہ وہابی معتقد مولوی محمد اسماعیل صاحب کے نہ ہوں۔" (دیکھیے تواریخ عجیب معروف بہ کالا پانی، مؤلفہ محمد جعفر تھانیسری، ص: ۷۸۔ ناشر: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، مطبوعہ ۲۰۰۳ء)

یہ شہادتیں بھی، بہت قدیم ہیں۔ موجودہ تجرہ و مشاہدہ یہ ہے کہ آپ کہیں بھی چلے جایئے، پکے متصلب سنی کم ہی ملیں گے اور آپ سنی مسجد اور سنی امام کو تلاش بسیار کے بعد ہی پائیں گے، خصوصاً مغربی یو.پی. اور دہلی میں تو یہی تجربہ ہوگا۔ عوام کی غالب اکثریت خواہ اپنے عقائد واعمال میں سنی ہو مگر وہ رہ نمائی دیوبندی، وہابی علما سے ہی حاصل کرتی ہے اور انھیں کی اقتدا میں نماز ادا کرتی ہے۔ مساجد تو کیا ہمارے مقابر اور خانقاہوں پر بھی ان کا قبضہ نظر آتا ہے۔ بیش تر اوقاف پر وہی قابض ہیں، خود وقف بورڈ، حج کمیٹیاں اور دیگر ادارے انھیں کے کنٹرول میں ہیں۔ ہم کہیں نہیں ہیں اور جہاں ہیں وہاں دبے، سہمے خود کو چھپانے اور خاموش رہنے کی کوشش میں۔

انتشار وپسپائی کے اسباب اور ان کا تدارک

محترم سامعین! اب غور وفکر کا مقام یہ ہے کہ اس انتشار و پسپائی کے اسباب کیا ہیں اور ان کا تدارک کیا ہے؟

یہ خیال اور یہ سوال ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں آتا ہے۔ کچھ لوگ اسباب کا تجزیہ بھی کرتے ہیں اور ان کے تدارک کے طور طریقے بھی سوچتے ہیں لیکن ہماری اکثریت آج بھی خوابِ خرگوش میں مبتلا ہے اور اسی زعم میں ہے کہ ہم سوادِ اعظم ہیں۔ ہم اکثریت میں ہیں، مسلمانوں کی بھاری اکثریت کے افعال واعمال وہی ہیں جو شروع سے اہلِ سنت کے افعال واعمال رہے ہیں۔

لیکن یہ محض خوش فہمی ہے، حقیقت نہیں۔ آپ چند شہروں میں چند علاقوں میں اکثریت میں ہوسکتے ہیں، لیکن ہر جگہ نہیں۔ بلکہ کڑوی سچائی تو یہ ہے کہ آپ کے مرکز بریلی میں ابتدا سے ہی ان کا ایک مدرسہ چل رہا ہے اور شہر کے ایک علاقے میں انھیں کا اثر ورسوخ ہے، جب کہ دیوبند کیا، اس کے قرب وجوار میں بھی کوئی مسجد اور کوئی علاقہ آپ کے زیرِ اثر نہیں ہے۔ ہر شہر اور ہر علاقے میں وہی غالب اور حکمراں نظر آتے ہیں۔

وقت کا شدید تقاضا ہے کہ ہم گہرائی سے ان حالات کا تجزیہ کریں اور ان اسباب کو تلاش کریں جنھوں نے ہمیں مغلوب وپسپا کر دیا ہے اور ہماری اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا ہے۔

میرے نزدیک اہلِ سنت کی ناکامی اور اغیار کی کامیابی کے درج ذیل اسباب ہیں:-

(۱) - انھوں نے اپنے عقائد ونظریات اور مسلک کی اشاعت پر زور دیا اور اس مقصد کے لیے جگہ جگہ شان دار و جان دار مدارس قائم کر کے پرجوش مبلغوں کی فوج تیار کی، تبلیغی جماعت بنا کر عوام سے وابستگی قائم کی۔ انھوں نے اپنے کام اور مقصد پر زیادہ توجہ دی۔ ان کا عمل مثبت تھا، جس کا مثبت اثر ہوا، وہ ترقی کرتے اور پھیلتے چلے گئے۔ اس کے برعکس ہمارے علما صرف اس کے رد میں لگے رہے اور عوام کو ان

سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ یہ منفی طریقِ عمل تھا اور اس کا نتیجہ واثر بھی منفی ہوا۔ وہ عمل میں لگے رہے اور ہم ردِّعمل میں۔ اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں نے یہ کہنا اور سوچنا شروع کر دیا کہ ارے بھئی وہ بے چارے تو انھیں کچھ نہیں کہتے، مگر یہ لوگ ان کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کی ہم دردی ان کے ساتھ ہو گئی اور وہ بہت فائدے میں رہے۔ فطری بات یہ ہے کہ اثر و نفوذ ہمیشہ عمل کا ہوتا ہے، ردِعمل کا نہیں۔ اسی کے نتیجے میں وہ غالب ہوتے جا رہے ہیں اور ہم مغلوب، لیکن پھر بھی ہم اسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ آج بھی ہمارے اکثر علما یہی طریقہ اپنائے ہوئے ہیں۔

یقین کیجیے! بہترین رد یہ ہے کہ اپنے عقائد و نظریات کو احسن طریقہ سے عوام کے ذہن میں دلائل و براہین کے ساتھ جما دیا جائے اور انھیں اپنے عقائد پر پختہ کر دیا جائے۔ اغیار اور مخالفوں کا بار بار ذکر اور ان کے عقائد و نظریات کا تذکرہ کر کے ان کا رد کرنا انھیں زندہ رکھنے اور مقبول بنانے کا ذریعہ ہے۔ بہترین اور نفسیاتی طریقہ یہ ہے کہ اغیار کو نظر انداز کر کے اپنی بات مضبوطی کے ساتھ، دلیل و ثبوت کے ساتھ پیش کیجیے اور اسے عوام میں مقبول بنائیے۔ اس سے عوام کی توجہ حاصل ہو گی اور وہ خود بخود راہِ راست پر آ جائیں گے۔

(۲) - وہ عوام کو یہ باور کرانے میں کامیاب رہے کہ یہ اختلافات علما کے علمی مباحث ہیں جن میں عوام کو نہیں پڑنا چاہیے، بلکہ سبھی کو قابلِ احترام سمجھنا چاہیے اور سبھی کی اقتدا کرنی چاہیے۔ ہم عوام کو یہ یقین دلانے میں ناکام رہے کہ یہ محض علمی مباحث نہیں بلکہ بنیادی عقائد کا سوال ہے۔ اور یہ جو عقائد پیش کر رہے ہیں وہ قطعاً غیر اسلامی ہیں۔

(۳) - وہ عوام کے ایک بڑے طبقے کو یہ یقین دِلانے میں کامیاب رہے کہ علمائے اہلِ سنت، صوفیائے کرام اور مرشدانِ عظام پیری مریدی اور نیاز فاتحہ کے ذریعہ اپنی روٹیاں سینکنے اور جلبِ منفعت میں لگے رہتے ہیں، اس لیے انھیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ ہم اس کا مناسب جواب دینے میں ناکام رہے، اور جواب دے بھی کیا سکتے ہیں۔ ہمارے سب تو نہیں لیکن بہت سے علما، صوفیا اور پیر صاحبان اپنے قول و عمل سے اس کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ تلخ نوائی کے لیے معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ وہ اپنی خانقاہوں، سجادوں اور مقبروں کی آڑ میں مہنت بن کر بیٹھ گئے ہیں اور بھولے بھالے عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں، اپنے گھر بھر رہے ہیں اور دین و مسلک کو بدنام کر رہے ہیں۔ کیا انھوں نے مقدس اعراس کو میلوں اور کھیل تماشوں میں نہیں تبدیل کر دیا ہے؟ عرس کے کئی کئی دن تک جاری رکھنے اور اس میں میلے اور بازار لگوانے کا آخر کیا جواز ہے؟ عرس میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی شرکت کو یقینی بنانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اپنانے کے پس پشت زیادہ سے زیادہ نذرانے کی وصولی کے علاوہ آخر کیا مقصد ہوتا ہے؟ صحیح عرس تو بس یہ ہے کہ مقررہ تاریخ پر معتقدین جمع ہو کر قرآن خوانی، نعت خوانی، وعظ و نصیحت اور ایصالِ ثواب کریں۔ باقی جو کچھ ہو رہا ہے، کیا اس کا بیش تر حصہ بلا جواز نہیں ہے؟

ہم اس مجمع کو دیکھ کر خوش ہو سکتے ہیں جو اعراس میں موجود ہوتا ہے، لیکن ذہین اور سمجھ دار لوگ اس سے متنفر ہوتے ہیں اور جیسے جیسے علم و فہم اور آزادیِ رائے بڑھ رہی ہے، تنفر بھی بڑھ رہا ہے۔ ایسے تمام لوگ اُسی طرف کا رخ کرتے ہیں اور پھر انھیں کے ہو جاتے ہیں۔ آخر اس خرابی کی طرف سے ہم کب تک آنکھیں اور منہ بند رکھیں گے؟ کیا ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ عوام کو عرس کے صحیح طریقے سے واقف کرائیں۔ غلط رسوم کے خلاف آواز اٹھائیں اور انھیں بند کرانے کی کوشش کریں؟

(۴) - انھوں نے دیوبند، سہارن پور اور لکھنؤ وغیرہ میں عالمی سطح کے علمی مراکز اور مدرسے قائم کیے اور اپنی انتھک محنت اور جد و جہد سے دار العلوم دیوبند کو عالمی شہرت و مقبولیت دلا دی۔ آج عالمِ اسلام سے اگر کوئی وفد آتا ہے تو وہ دار العلوم دیوبند ہی کا رخ کرتا ہے۔ ہم اس کی ٹکر کا ایک بھی مرکز قائم کرنے میں ناکام رہے۔ ہاں ہم نے بنام دار العلوم اور جامعہ دینی علوم کی چھوٹی چھوٹی دُکانیں ضرور قائم کر رکھی ہیں جو دین و مسلک کی خدمت تو برائے نام ہی کرتی ہیں لیکن کچھ لوگوں کی منفعت اور خدمت کا ذریعہ ضرور ہیں۔ ان میں کچھ لوگ خود کو حضرت قبلہ صدر المدرسین صاحب، حضرت قبلہ مہتمم صاحب، محترم جناب ناظمِ اعلیٰ صاحب وغیرہم کہلوا کر خوش ہو رہے ہیں اور نفس پروری کر رہے ہیں۔ جہاں اختلاف ہوا اور وہ بہر حال ہونا ہی ہے، وہیں ایک نیا تجارتی مرکز قائم ہو جاتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے شہروں میں چار چار پانچ پانچ مدرسے چل رہے ہیں مگر بے فیض۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ضلع کی سطح پر ایک مدرسہ ہو، سب اسی سے وابستہ ہوں اور اسی کی ترقی کے لیے کوشاں ہوں۔

کیا ہم مدارس کی بڑھتی ہوئی تعداد پر قدغن نہیں لگا سکتے؟ ضرور لگا سکتے ہیں۔ اگر ہم نئے مدرسہ کے قیام کی حوصلہ شکنی کریں، قدیم اور بڑے مدارس کو ہی مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے کوشاں رہیں، چھوٹے چھوٹے مدارس قومی دولت کے زیاں کا باعث ہیں، بے فیض ہیں اور اب تو ہم غیر مسلم فرقہ پرستوں کو بھی انگلی اٹھانے اور بدنام کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔

۵ - انھوں نے عوام سے رابطہ استوار کیا، وہ غیروں اور دشمنوں کو اپنا بنانے کا ہنر جانتے ہیں اور ہم اپنوں کو بھی غیر اور متنفر کرنے میں ماہر ثابت ہو رہے ہیں۔ جہاں کسی نے کچھ سوالات کیے، کچھ شکوک و شبہات کا اظہار کیا، جہاں لکیر سے ذراہٹ کر بات کی، بس اس کی خیر نہیں۔ اس کو مطمئن کرنے، اس کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے بجائے اس کا سخت احتساب شروع ہو جائے گا، اس پر فتوے جاری کر دیے جائیں گے، اس کو گم راہ و بد دین قرار دے کر خود سے الگ کر دیا جائے گا، اس سے سلام و کلام نہ کرنے، تعلق منقطع کرنے اور اس کا بائیکاٹ کرنے کی اپیل کی جائے گی اور یہ سب کچھ حمیتِ دین و مسلک کے نام پر کیا جائے گا۔ یہ بھی ڈرایا جاتا ہے کہ اس سے میل جول رکھنے میں خود اپنے ایمان کو خطرہ ہے۔

ایسے ہر شخص کو وہ گلے لگائے، مطمئن کرنے اور خود سے جوڑنے پر تیار رہتے ہیں، پھر خلق خدا کا رجوع ادھر نہ ہو گا تو کدھر ہو گا؟

ذرا سوچیے کہ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ ہمارے پیارے رسول ﷺ کا طریقہ تو یہ تھا کہ وہ اولادِ آدم میں سے ہر شخص کے لیے فکر مند رہتے تھے۔ کفار و مشرکین کو بھی صراطِ مستقیم پر لانے اور الٰہِ واحد کا ماننے والا بنانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اس کی سخت سے سخت بات اور اعتراض و شکوک و شبہات سے چیں بجبیں نہیں ہوتے تھے، بلکہ ہر طرح سے مطمئن کرنے اور اس کے شکوک و شبہات دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ادھر ہمارا حال یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو جو کسی نہ کسی درجے میں بہر حال امتِ محمد ﷺ سے وابستہ ہیں، اسلام کی بنیادی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں، بس کچھ ناواقفیت اور کچھ بہکاوے کے سبب گم راہ ہو گئے ہیں، ذہنی کجی نے انھیں بیمار کر دیا ہے، ان پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ انھیں افہام و تفہیم کے ذریعہ راہِ راست پر لانا ہمارا اولین فرض ہے۔ کیا ہم اپنے گلے کی بھیڑوں کو یوں ہی بھٹکنے دیں گے؟ کیا انھیں بھیڑیوں کا شکار ہونے دیں گے؟ اگر ایسا کریں گے تو کل بروزِ قیامت اپنے ہادی و رہ نما، اپنے آقا و مولا ﷺ کو کیا جواب دیں گے؟ کیا آپ سے محبت کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ آپ کی پیاری امت کے ہر فرد کو ہر حال میں راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں؟ کیا ہمارا ایمان و یقین اور ہمارا مسلک اتنا کم زور ہے کہ گم راہوں سے ملتے ہی جاتا رہے گا؟ اگر وقعی ایسا ہی کم زور ہے تو اسے ختم ہی ہو جانا چاہیے۔ لیکن نہیں، ہرگز نہیں۔ ہمیں یقینِ کامل ہونا چاہیے کہ ہمارا ایمان اور دین و مسلک اتنے مضبوط و مدلل ہیں کہ ہم ہر گم راہ کو ان سے متاثر کر کے راہِ راست پر لا سکتے ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے اس کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔ اپنی مساعی جمیلہ سے ذہنی مریضوں اور گم کردہ راہوں کو صراطِ مستقیم دکھائیں، لیکن یہ تبھی ممکن ہو گا کہ جب ہم ان سے سماجی تعلقات استوار کریں، ان کے شکوک و شبہات کو محبت کے ساتھ دور کریں اور انھیں دلائل و براہین کے ساتھ سمجھائیں۔ کیا تبلیغِ دین و مسلک کے لیے ہم یہ نہیں کر سکتے؟

۶ - ہمیں حکم دیا گیا ہے: ''یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا.'' (آسانی پیدا کرو، مشکل نہ بناؤ، بشارت و خوش خبری دو نفرت اور خوف نہ دلاؤ) لیکن ہم نے سہل اور سلیس باتوں کو بھی مشکل اور پیچیدہ بنا دیا ہے۔ ہم خوش خبری اور بشارت کم دیتے ہیں، خوف زدہ زیادہ کرتے ہیں۔ ہم اللہ رؤف رحیم کو اللہ قہار و جبار زیادہ کہتے ہیں۔ بے شک وہ قہار و جبار بھی ہے اور سریع الحساب بھی، لیکن اس کا رحم و کرم باقی تمام صفات پر بھاری ہے، وہ رحم و کرم ہی زیادہ کرتا ہے، پس ہمیں عام لوگوں کو اس کے رحم و کرم کی بشارت زیادہ دینی چاہیے۔

ہم فروعات پر زیادہ زور دیتے ہیں اور کم اہمیت کی باتوں پر وقت اور پیسہ زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ عام لوگوں کو نوافل و مستحبات کا خوگر بنانے کی کوشش کرتے ہیں، جب کہ موجودہ صنعتی اور بھاگ دوڑ کی شہری زندگی اس کی متقاضی ہے کہ صرف اصل پر زور ہو، فروع پر نہیں۔ موجودہ دور میں اگر عوام فرائض ہی ادا کر لیں تو غنیمت ہے، مستحبات و نوافل اور اوراد و وظائف کے طویل عمل سے نئی نسل نفس دین سے ہی متنفر ہو سکتی ہے۔ اس لیے یہ خوراک احتیاط کے ساتھ ہی دی جائے اور صرف خواہش مند لوگوں کو ہی ان کا خوگر بنایا جائے۔ **(جاری)**

☆☆☆☆☆